A Portrait of the Artist As a young man

James Joyce

پورٹریٹ آف دی آرٹسٹ ایز آ ینگ مین

جیمز جوائس

سید عرفان علی

www.server555.com
www.SyedIrfanAli.com

مکمل آڈیو اور ٹیکسٹ
ممبرشپ کے بعد

0309888638 واٹس ایپ

https://wa.me/923099888638

اس کتاب کی آڈیو بک ڈائون لوڈ کریں

www.server555.com
www.SyedIrfanAli.com

جیمز جوائس پورٹریٹ آف دی آرٹسٹ ایز آ ینگ مین

Originally published: 1916

تاریخ ساز ادب کا سفر انیس سو سولہ میں پہنچ گیا

تمام کتب کے اردو تراجم سید عرفان علی کے قلم سے		
The Medieval Period 455 CE-1485 CE		
450-1066 A.D.	Old English (O.E) or Anglo-Saxon Period	Beowulf
1066-1500 A.D.	Middle English Period	Piers Plowman
1392 The Canterbury Tales Geoffrey Chaucer		
1350-1400 A.D.	The Age of Chaucer	The Canterbury Tales
The Renaissance / Reformation 1485-1660		
1485-1558	Early Tudor Period	Martin Luther, Edmund Spenser
1558-1603 A.D.	The Elizabethan Age	Early works of Shakespeare, Marlowe, Kyd, and Sidney.
1603-1625 A.D.	The Jacobean Age	Shakespeare's later work include Aemilia Lanyer, Ben Jonson, and John Donne.
1625-1649 A.D.	The Caroline Age	John Milton, George Herbert, Robert Herrick, the "Sons of Ben" and others wrote during the reign of

		Charles I and his Cavaliers.
1667 Paradise Lost John Milton		
1649-1660 A.D.	The Commonwealth Age/ Puritan Age / Age of Milton	Under Cromwell's Puritan dictatorship, John Milton continued to write, but we also find writers like Andrew Marvell and Sir Thomas Browne.
The Enlightenment / Neo-classical Period 1660-1785 A.D.		
1660-1700 A.D.	The Restoration Period or The Age of Dryden	John Dryden, John Locke, Sir William Temple, and Samuel Pepys, and Aphra Behn
Alexander Pope The Rape of the Lock 1712		
1726 Gulliver's Travels Dr. Jonathan Swift		
1700-1750 A.D.	The Augustan Age / Classic Age / Age of Pope	Addison, Steele, Swift, and Alexander Pope
1750-1790	The Age of Johnson	Dr. Samuel Johnson, Boswell, and Edward Gibbon who represent the Neoclassical tendencies, while writers like Robert Burns, Thomas Gray, Cowper, and Crabbe show movement away from the Neoclassical ideal.
1745-1783 A.D.	The Age of Sensibility	
1740-1800 A.D.	The Age of Transition	
1820		

Prometheus Unbound Lyrical drama by Percy Bysshe Shelle		
1785-1830 A.D. or 1800-1850 A.D.	The Romantic Period	Coleridge, Blake, Keats, and Shelley
1811 - 1820	Regency era	Jane Austen, Sir Walter Scott, Susan Ferrier, and Maria Edgeworth
1790-1890	Gothic writings	Radcliffe, "Monk" Lewis, and Victorians like Bram Stoker in Britain. In America, Gothic writers include Poe and Hawthorne.
1832-1901 A.D.	The Victorian Period	George Eliot, Elizabeth Browning, Alfred Lord Tennyson, Matthew Arnold, Robert Browning, Charles Dickens, and the Brontë sisters.
1846-1857	The Victorian Period	Brontë Sisters
1859-1876	The Victorian Period	George Eliot
1871-1891	The Victorian Period	Thomas Hardy
1883- 1894	The Victorian Period	Robert Louis Stevenson
1894-1902	The Victorian Period	Rudyard Kipling
1848-1860 A.D.	The Pre-Raphaelites	Rossetti siblings and William Morris
1880-1901 A.D.	Aestheticism and Decadence	Walter Pater and Oscar Wilde
1901-1910 A.D.	The Edwardian Period	J. M. Barrie, Arnold Bennett, G. K. Chesterton, Arthur Conan Doyle, Joseph Conrad, E. M. Forster, John Galsworthy, Kenneth Grahame, M. R. James, Rudyard

		Kipling, A. A. Milne, E. Nesbit, Beatrix Potter, Saki, George Bernard Shaw, H. G. Wells and P. G. Wodehouse.
1895–1946	Victorians / Edwardian	H. G. Wells
1910-1936 A.D.	The Georgian Period	Ralph Hodgson, John Masefield, W.H. Davies, and Rupert Brooke.
1914-1945 A.D. or 1890-Onwards	The Modern Period	James Joyce, Virginia Woolf, Aldous Huxley, D.H. Lawrence, Joseph Conrad, Dorothy Richardson, Graham Greene, E.M. Forster, and Doris Lessing; the poets W.B. Yeats, T.S. Eliot, W.H. Auden, Seamus Heaney, Wilfred Owens, Dylan Thomas, and Robert Graves; and the dramatists Tom Stoppard, George Bernard Shaw, Samuel Beckett, Frank McGuinness, Harold Pinter, and Caryl Churchill.
1916 جیمز جوائس پورٹریٹ آف دی آرٹسٹ ایز آ ینگ مین		

دی پورٹریٹ آف دی آرٹسٹ ایز آینگ مین

شعور کی رو

شعور کی رو اور یولی سیز کے تعارف کے ساتھ

سٹریم آف کانشی نس

جیمز جوائس کا ناول دی پورٹریٹ آف دی آرٹسٹ ایز آینگ مین

پانچ ابواب پر مشتمل ہے

ہر باب پر مختصر نظر ڈالتے ہیں

باب نمبر ایک

ناول کے ہیرو سٹیفن ڈے ڈے لس کے بچپن پر مشتمل ہے۔ جب اس کی عمر چھ سے نو سال کے درمیان تھی۔ وہ چرچ کے زیر انتظام چلنے والے یسوعی سکول کلون گوزووڈ کالج

Clongowes Wood College

میں طالب علم تھا۔ اسکول کے ہوسٹل میں رہتا اور چھٹیوں میں گھر جاتا۔ جیمس جوائس ناول کے ہیرو کے روپ میں اپنی زندگی کے تین چار اہم واقعات یاد کرتا ہے۔

ایک ساتھی طالب علم کا اسے گندے پانی کے نالے میں دھکا دے دینا اور بخار کی وجہ سے اسکول کے ہسپتال میں داخل ہونا۔ کرسمس کی چھٹیوں میں گھر جانا جہاں کھانے کے دوران سیاسی بحث کا چھڑ جانا۔

غلطی نہ ہونے کے باوجود نظم و نسق پر مامور استاد کا اسے سزا دینا۔ جس کی شکایت سکول کے ہیڈ سے کرنا جہاں سے مثبت جواب کا ملنا۔

باب نمبر دو

مرکزی کردار کی زندگی کے گیارہ سے سولہ سال کی عمر پر مشتمل ہے۔ بلکہ زندگی کا یہ دور باب نمبر دو نمبر تین اور باب نمبر چار پر پھیلا ہوا ہے وہ اب

Belvedere College

نامی یسوعی سکول کا طالب علم ہے۔

کتابوں کی دنیا میں اس کی دلچسپی بڑھ رہی ہے اور مذہب کے بارے میں شکوک میں اضافہ ہو رہا ہے۔ والد صاحب کے ساتھ اپنے آبائی علاقے میں جاتا ہے۔ مضمون نویسی کے مقابلے میں انعام حاصل کرتا ہے۔ جوانی میں قدم رکھتا ہے اور جنسی جذبات کے بہاؤ میں بہہ کر پہلی مرتبہ ایک طوائف کے ساتھ سیکس کرتا ہے۔

باب نمبر تین

ہیرو کی زندگی میں مذہبی تبدیلی آ رہی ہے۔ پادری صاحب کے خطبوں کا اس پر روحانی اثر ہوا۔ گناہوں پر سخت شرمندہ اور نادم ہے۔ پادری سے اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہے۔ برائی سے بچنے اور نئی پاکیزہ زندگی گزارنے کا عہد کرتا ہے۔

باب نمبر پانچ

پانچواں اور آخری باب مشتمل ہے اسٹیفن کی سترہ سے بیس سالہ زندگی پر۔

اب ہیرو سٹیفن ڈے ڈے لس یونیورسٹی کالج ڈبلن کا طالب علم تھا۔ یہاں اس کی سوچوں کو درست سمت میں ملیں۔ آرٹ ادب جمالیات کی سوچوں میں گہرائی اور مضبوطی آئی۔ سکول کے قابل استاد اور طالبعلم ساتھیوں کرینلی اور لینچ سے معلوماتی گفتگو نے ذہن کو وسیع کیا۔ چناچہ سٹیفن نے بالآخر فیصلہ کر لیا کے چرچ سے، اپنے خاندان سے، اپنے وطن سے اندھی جذباتی محبت کے بجائے ادب

میں اپنا مقام بنائے گا۔ اور کتاب ختم ہوتی ہے سٹیفن کے بیرون ملک جانے کے فیصلے پر۔

جیمز جوائس پورٹریٹ آف دی آرٹسٹ ایز آ ینگ مین

ناول کی ابتدا

میں سٹیفن اپنے بچپن کو یاد کر رہا ہے۔ بالکل بچوں کی کہانی کی طرح ناول کا آغاز ہوا جب اس کا باپ اسے کہانی سناتا تھا اور اچھے وقت کی دلچسپ کہانی سناتا تھا- ایک گائے موکاؤ کی کہانیاں اسے یعنی بے بی ٹکو کو سنائی جاتیں۔ بچپن کے زمانے کو وہ یاد کرتا ہے جب اس نے پہلی مرتبہ بستر گیلا کیا۔ پہلے گرمائی محسوس کی پھر ٹھنڈ۔ اس کی امی بستر پر آئل شیٹ بچھایا کرتی تھیں۔ اس کی امی کی خوشبو ابو کی خوشبو کے مقابلے میں بہت سہانی تھی۔ اس کی امی پیانو بجاتیں۔ انکل چارلس اور آنٹی ڈانٹے تالیاں بجاتے اور وہ ننھا بچہ ڈانس کرتا۔ ڈانٹے کے پاس دو برش تھے ایک مائکل ڈیوٹ

Michael Davitt کے لئے اور دوسرا پارنل Parnell کے لئے۔

اے لین وینسز Eileen Vances نامی بچی کو وہ پسند کرتا ہے جو اس کے ہمسائے میں رہتی ہے اور کہتا ہے کہ بڑا ہو کر وہ اس سے شادی کرے گا۔ یہ بات سن کر اس کی امی اور آنٹی ڈانٹے سخت پریشان اور ناراض ہوئیں۔ ڈانٹے نے تو یہاں تک کہہ دیا اگر ایسا کرو گے تو عقاب آئے گا اور تمہاری آنکھیں نکال لے گا۔ ناراضگی اس لیے تھی کیونکہ وہ لوگ رومن کیتھولک تھے جبکہ اس بچی کا خاندان پروٹیسٹنٹ تھا۔

سٹیفن ڈے ڈے لس کی سوچیں سکول میں پہنچ جاتی ہیں۔ جب سکول کلون گوزووڈ کالج میں داخل ہوا اس کے امی اور ابو اسے سکول چھوڑنے آئے۔ اس کی امی اس کی جدائی کی وجہ سے رو رہی تھیں۔ کیونکہ اسے اب سکول کے ہوسٹل میں رہنا تھا۔ ماں باپ نے نصیحتیں کیں۔ ماں نے کہا شرارتی بچوں سے دور رہنا ہے۔ کچھ ساتھی طالب علم کھیلوں میں بہت شوق سے حصہ لیتے مگر اسے کھیلوں میں دلچسپی نہ تھی۔

وہ دن گنتا تھا کہ کب سکول میں چھٹیاں ہوں اور وہ واپس گھر جائے۔ ایک طالب علم جس کا نام ویلز تھا اس نے سٹیفن کو گندے پانی کے تالاب میں دھکا دے دیا۔ پانی بہت ٹھنڈا اور گندا تھا۔

آنٹی ڈانٹے نے اسے بہت کچھ سکھایا تھا مگر فادر آرنال Father Arnall

کا علم آنٹی ڈانٹے سے بہت زیادہ تھا۔ سٹوڈنٹس کے دو گروپس تھے۔ لان کاسٹر نامی گروپ کا وہ لیڈر تھا اس لیے سرخ گلاب لگاتا۔ جبکہ دوسرے گروپ یورک کا نشان سفید گلاب تھا۔ کس قدر خوبصورت رنگ کے گلاب تھے۔ شاید کسی جگہ سبز رنگ کا بھی گلاب ہوتا ہوگا وہ سوچتا۔

اسکول میں پڑھائی کے بعد مکھن توس چائے دی جاتی مگر بد مزہ۔ جبکہ وہاں ایک امیر طالبعلم گھر سے آئے ہوئے مزیدار مشروب کے مزے اڑاتا۔ اسٹیفن سکول میں خوش نہ تھا اور سوچتا تھا کہ جلد از جلد گھر جائے اور اپنی پیاری امی کی گود میں سر رکھ کر ان کی محبت کے

ہر طالب علم کا اپنا الگ انداز تھا۔ جب گھر کی یاد آنے پر وہ رونے لگتا تو ایک طالب علم نے اس کے ساتھ ہمدردی بھی کی۔ وہاں ایک طالب علم ایسا بھی تھا جسے سگار پینے کی اجازت تھی۔

ایک دن ویلز نامی طالب علم نے اس سے پوچھا کیا سونے سے پہلے وہ اپنی امی کو پیار کرتا ہے۔ سٹیفن نے جواب دیا ہاں۔ تو اس نے باقی سب بچوں کو کہا، اسٹیفن سونے سے پہلے اپنی امی کو پیار کرتا ہے۔ یہ سن کر سب زور زور سے ہنسنے لگے۔ جس پر فوری طور پر سٹیفن نے کہا نہیں۔ ویلز نے تمام بچوں سے کہا دیکھو اسٹیفن سونے سے پہلے اپنی امی کو پیار نہیں کرتا۔ یہ جواب سن کر سب بچے دوبارہ زور زور سے ہنسنے لگے۔ اسٹیفن شرمندہ تھا۔ کیا جواب دینا چاہیے تھا۔ کیا سونے سے پہلے امی کو پیار کرنا چاہیے یا نہیں کرنا چاہیے۔ کسنگ کیا ہے۔ کیا اس کا مطلب یہی ہے کہ ہونٹوں سے ٹھوری کو چھوا جائے۔ آخر لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں۔

ایک دن سٹیفن نے سبق پڑھنے کے لیے جغرافیہ کی کتاب کھولی جہاں اس نے اپنا نام اور پتا اس طرح لکھا تھا

Stephen Dedalus

Class of Elements

Clongowes Wood College

Sallins

County Kildare

Ireland

Europe

The World

The Universe

شاید کائنات کے بعد کچھ بھی نہیں ہے۔ یا شاید کائنات کے باہر بھی کچھ ہو گا۔ انسانی ذہن ہر جگہ اور ہر چیز تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہ کام تو بس خدا کے اختیار میں ہے۔ ہر زبان میں خدا کا نام موجود ہے۔ صرف خدا ہی کی عظمت اور قدرت ہے کہ وہ ہر زبان میں پکارے جانے والی دعا کو سمجھ سکتا ہے۔

اسٹیفن اس گفتگو کو یاد کرتا ہے جو وہ گھر میں سنتا تھا۔ ڈانٹے نے اسے بتایا تھا کہ پارنل ایک برا انسان تھا۔ جبکہ مسٹر کیسی کے مطابق مسٹر پارنل ایک بہت اچھا انسان تھا۔ اس طرح کی بحث سیاست کہلاتی تھی۔ اخبارات اس طرح کے مواد سے بھرے پڑے تھے مگر اسے کچھ بھی علم نہ تھا کہ یہ سیاست کیا ہوتی ہے۔ نہ یہ کہ کائنات کے باہر کیا ہے۔ اس نے سوچا کہ وہ کتنا کمزور اور کم علم ہے مگر وقت کے ساتھ پڑھ لکھ جائے گا۔ جب وہ بستر میں جاتا تھا تو وہ ٹھنڈا ہوتا تھا مگر کچھ دیر بعد گرم ہو جاتا۔ ہوسٹل میں رات کی عبادت کے لئے وہ دوسرے طالبعلموں کے ساتھ جاتا تو عبادت گاہ اور راستے میں مدہم روشنی ہوتی۔ اندھیرے میں اسے خوف محسوس ہوتا۔

اسٹیفن دیہاتی علاقے میں موجود کسانوں کو یاد کرتا ہے۔ ایک عورت جو دروازے میں اپنے بچے کے ساتھ کھڑی تھی۔ سٹیفن ڈے ڈے لس کی خواہش تھی ان لوگوں کے ساتھ ان کے گھر میں ایک رات گزارے۔ دیہاتی علاقے کی خوشبو کے مزے لے۔ مگر یہ ممکن نہ تھا۔

وہ اس وقت کو سوچ کر خوش ہو جاتا جب چھٹیوں میں واپس اپنے گھر جائے گا۔ طالب علم ساتھیوں سے بھری ہوئی ٹرین تیز رفتاری سے راستہ عبور کرتی ہوئی۔ گھر میں اس کا شاندار استقبال۔ اس کے باپ کو ترقی بھی مل چکی تھی۔

اسٹیفن بیمار ہو گیا۔ وجہ اس کے ساتھی طالب علم نے اسے گندے پانی کے تالاب میں دھکا دے دیا۔ یہ بہت بری حرکت اس نے کی تھی مگر پھر بھی درخواست کی کہ اس کے خلاف شکایت نہ کرے۔ ہوسٹل کے شفاخانے میں اسکا علاج شروع ہوا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا وہ مر جائے گا۔ اس وقت سے بھی پہلے جب اس کی پیاری امی اسے واپس گھر لے جانے کے لئے آئیں گی۔ تمام لوگ اس کے جنازے میں موجود ہوں گے۔ سیاہ ماتمی لباس میں اداس غمگین۔ ویلز جس نے دھکا دیا تھا اسے کس قدر شرمندگی ہو گی جب وہ بھی چھوٹی سی قبر کے پاس آئے گا۔ ماتمی گھنٹیاں بج رہی ہوں گی۔

کرسمس کے موقع پر وہ گھر گیا جہاں شاندار کھانے کا اہتمام کیا گیا تھا' سٹیفن اب اتنا بڑا ہو چکا تھا کے گھر کے بڑوں کے ساتھ کھانے کی ٹیبل میں بیٹھ سکے' جبکہ اس کے باقی چھوٹے بہن بھائیوں کو اس چیز کی اجازت نہیں ملی تھی' کھانے کی میز پر سٹیفن کے علاوہ اس کے امی ابو ڈانٹے مسٹر کیسی اور انکل چارلس بھی موجود تھے۔ کھانا شروع ہوتے ہی ایک بحث کا آغاز ہو گیا۔ مسٹر کیسی کہنے لگے کہ یہ بالکل غلط ہے کہ پادری چرچ میں سیاسی تقاریر کریں۔ جبکہ ڈانٹے نے کہا کہ یہ پادریوں کی ہی ذمہ داری ہے کہ وہ عوام کو درست سیاسی راستہ دکھائیں۔

اسٹیفن کے باپ کی آخری جائیداد رہ گئی تھی اور ایک دن باپ سٹیفن ڈے ڈے لس کو اپنی اس آخری جائیداد کے علاقے میں لے گیا. اس کے باپ کی اس علاقے کے ساتھ جذباتی وابستگی بھی تھی اور بہت سی یادیں بھی وابستہ تھیں. اس آخری جائیداد کی نیلامی بھی جلد ہونے والی تھی. اس کا باپ ماضی کی یادوں میں کھو گیا اور سٹیفن کو اپنی جوانی کے دور کی باتیں بتاتا رہا. اس نے بتایا کہ کھیلوں اور سیاست میں وہ کس قدر زیادہ حصہ لیتا تھا. خوبصورت لڑکیوں میں اس کی دلچسپی بہت ہی زیادہ تھی اور دل چاہتا کہ ہر روز ایک خوبصورت لڑکی اس کے پاس موجود ہو۔ اپنی جوانی میں لڑکیوں کو حاصل کرنے کے لیے وہ کسی حد تک بھی جانے کے لیے تیار رہتا۔ کبھی راتوں کو دوست ساتھ بیٹھتے اور ساری رات داستانیں سناتے ہوئے گزر جاتی۔ دوستوں اور لڑکیوں کے درمیان شراب نوشی کرتے ہوئے ایسا محسوس کرتا جیسے تمام دنیا کی دولت اسے حاصل ہو چکی ہو اور وہ باقی تمام دنیا کو فراموش کر دیتا۔

سٹیفن نے یہ باتیں سنیں۔ اگرچہ اسے علم تھا کہ ہر انسان اپنی جوانی میں ایسا کچھ کرتا ہے مگر اپنے باپ کے متعلق یہ سب کچھ معلوم کرنے کے بعد اس پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا بلکہ اس نے تو اپنے باپ کی جوانی کی یہ بری باتیں سنیں تو شرمندگی محسوس کی۔ یہ اس لیے بھی تھا کیونکہ سٹیفن فن کی دلچسپیاں عام نوجوانوں کی طرح نہ تھیں بلکہ وہ تو ایسے کاموں کا سوچ کر ہی خوفزدہ ہو جاتا۔

جب سٹیفن ڈے لس پر ایک مرتبہ مشکل وقت آیا تو اس نے زندگی کے متعلق سوچنا شروع کیا اور اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ برے سے برے حالات میں بھی انسان کو اپنی ہمت اور حوصلے کو برقرار رکھنا چاہیے۔ اسے علم تھا کہ زندگی صرف ایک بار ملتی ہے تو اسے بہترین طریقے سے گزارنا بھی بہت ضروری ہے۔ اس کے حوصلے اس وقت بہت بلند ہو گئے جب مضمون نویسی کے مقابلے میں اسے ایک بڑا

انعام ملا۔ اسنے محسوس کیا کے اس کے دکھ درد دور ہو چکے ہیں اور اب اس رقم سے وہ کوئی بھی شے حاصل کر سکتا ہے۔ اسنے فضول خرچی شروع کی۔ اپنے خاندان کو مہنگے ترین ہوٹل میں کھانے کی دعوت دی اور ان لمحوں میں زندگی سے بھی شاندار طریقے سے لطف اندوز ہوا۔ اس کی ہمیشہ سے خواہش رہی تھی کے مہنگے سٹیج ڈرامے دیکھے۔ انعام ملنے کے بعد اس نے اپنی اس خواہش کی تسکین کی۔ اپنے خاندان کے ساتھ ڈراموں کو دیکھنے گیا۔ رات کو واپس گھر پہنچ کر تمام گھر والے ان ڈراموں کے متعلق تحقیقی بحث کرتے۔ مگر جلد ہی اس کے تمام پیسے ختم ہو گئے۔ اس نے زندگی کی مشکلات کو محسوس کرنا شروع کیا۔

اس کے ذہن میں روحانی انتشار پیدا ہوا اور سوچ میں پڑ گیا کہ زندگی کا آخر مقصد کیا ہے۔ گھر میں رہ کر تنگ آ جاتا تو بغیر کسی مقصد کے کے سڑکوں کا گشت شروع کر دیتا۔ اسی

کروا دیتیں اور وہ سکون کی حالت میں چلا جاتا۔ مگر وہ محسوس کرتا تھا کہ اس کی روح شدید پریشان ہے۔ طوائفوں کی خوبصورتی اور سکون کے درمیان بھی گناہ کا احساس اس کی روح کو پریشانی اور تکلیف میں مبتلا رکھتا۔ ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ گناہ کا احساس شدید سے شدید تر ہوتا رہا اور بعض اوقات وہ شدید غصے میں بھی آ جاتا۔ اسنے سکون کو مذہب میں تلاش کرنے کا فیصلہ کیا۔ پادری صاحب کا خطبہ سنا جس میں ہمیشہ ہمیشہ کے عذاب کے بارے میں تفصیل سے بتایا گیا۔ جو تھوڑا بہت سکون بچا تھا یہ بات سن کر وہ بھی ختم ہو گیا۔ وہ رات اس نے شدید بے قراری کی حالت میں گزاری۔ سٹیفن ڈے ڈے لس تمام رات پریشان رہا۔ نیند اس سے کوسوں دور تھی۔ اسنے محسوس کیا کہ اس کی روح کو ہمیشہ ہمیشہ کے عذاب میں رہنے کی سزا مل چکی ہے۔

یہ سب بہت تکلیف دہ تھا کہ وہ گناہوں کی دلدل میں ڈوب چکا ہے۔ اس رات تو اپنے آپ کو اپنی ہی نظروں میں گرا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ اس نے اس وقت کو یاد کیا جب وہ گناہوں سے پاک اور معصومانہ زندگی گزارتا تھا۔ اسے اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کا احساس شدید

کرب پہنچا رہا تھا۔ ذہن میں طوفان برپا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنے تمام گناہوں سے پیچھا چھڑا کر اور انہیں بھول کر ایک ایسی نئی زندگی شروع کرے جو گناہوں سے بالکل پاک ہو۔ اسے کسی غیبی طاقت کی مدد ہی کہہ سکتے ہیں کہ اس کی تکلیف دہ حالت ختم ہو گئی۔ اس نے محسوس کیا جیسے وہ گناہوں کی دلدل سے نکل چکا ہے۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کا ہمزاد رو رہا ہے، چیخ رہا ہے اور خواہش کر رہا ہے کہ معصوم اور پاکیزہ زندگی دوبارہ اسے مل جائے۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کے آنسوؤں نے اس کے گناہوں کو دھو ڈالا ہے اور اب وہ دوبارہ معصوم اور نیک ہے۔

پادری کے سامنے جیسے جیسے گناہوں کا اقرار کرتا رہا ویسے ویسے محسوس کرتا رہا کہ وہ گناہوں سے پاک ہو کر صاف ستھرا ہوتا جا رہا ہے۔ جلد ہی اس نے محسوس کیا کہ وہ ایسا پاک صاف ہو چکا ہے جیسے ایک نیا پیدا ہونے والا بچہ پیدائش کے بعد معصوم ہوتا ہے۔ اس کی زندگی میں بہت زیادہ تبدیلی آگئی۔ اسنے اپنی زندگی خدا کی یاد میں بسر کرنا شروع کر دی۔ وہ دنیا کے گناہوں سے دور ہو چکا تھا۔ نا صرف اس کی عبادات اپنے لیے ہوتیں بلکہ ان مرحومین کی روحوں کو بھی ثواب پہنچا تا جو دنیا میں گناہ کرتی رہی تھیں۔ یہ وہ وقت تھا جب اس نے محسوس کیا کہ انسان کی پیدائش کا واحد مقصد خدا کی عبادت کرنا ہے۔

کچھ عرصہ تو اسٹیفن کا ذہن مذہبی رہا مگر پھر دوبارہ وہ یہ راستہ چھوڑ بیٹھا۔ شعور میں ہمیں اگرچہ احساس نہیں ہوتا مگر تحت الشعور میں بہت سی چیزیں ایک دوسرے سے مقابلہ کر رہی ہوتی ہیں۔ کچھ ایسے واقعات اسنے دیکھے اور لوگوں کا طرز عمل ان واقعات پر کچھ اس طرح سامنے آیا جس سے اسٹیفن کو بہت برا لگا اور غصہ چڑھا اور وہ یہ بات سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ لوگوں کی بڑی تعداد خدا کے نام کا سہارا لے کر منافقت کا کھیل کھیلتی ہے۔ بہت سے لوگ خدا کا نام اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کو چھپانے کے لیے سہارے کے طور پر پر

لیتے ہیں۔ اس نے محسوس کر لیا کہ اس کے اندر کوئی طاقت اس سے کہہ رہی ہے کہ مذہب سے دور ہو جاؤ اور اس نے اس انجانی طاقت کی بات مان لی ہے۔ اسے ان چیزوں پر بالکل فخر محسوس نہیں ہوا جو وہ خدا، اس کے بیٹے اور روح القدس کے بارے میں کہتا رہا تھا۔ اس نے مذہبی رسم و رواج کو دیکھا تو روح نے تشنگی محسوس کی۔

اب وہ خدا سے بہت دور جا چکا تھا مگر شاید اس لیے کہ خدا کو تلاش کرے۔

جہاں وہ علم حاصل کر رہا تھا اس کے استاد اور اتھارٹیز کو علم ہو چکا تھا کہ اس کی تعلیمی کارکردگی بہت اعلیٰ ہے۔ وہ سب اسے بہت نیک خیال کر رہے تھے کیونکہ دلوں کا حال تو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ اس کے ذہن میں جو قیامت خیز سوالات اٹھے تھے ان سے وہ بے خبر تھے۔ پھر اسکول کی سب سے اعلیٰ انتظامیہ نے اس سے کہہ دیا کہ

کیا وہ خواہش مند ہے کہ خدا اسے پسند کرے اور وہ خدا کے لئے کام کرے۔

کیا وہ خدا کے لیے اپنی زندگی وقف کرنے کے لئے تیار ہے۔

یہ وہ سوال تھا جس کی اسے توقع نہ تھی اور یہ سوال اس وقت کیا گیا تھا جب اس کی سوچ بالکل بدل چکی تھی۔ مذہب اور زندگی کو اب وہ ایک مختلف رخ سے دیکھ رہا تھا۔

چرچ کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا کچھ عرصے پہلے اس نے سوچا تھا اور اس خیال سے بہت ذہنی سکون ملا تھا۔

پادری کا خطاکاروں سے ان کی غلطیوں اور خطاؤں کا سننا اور انسانی کمزوریوں اور زندگی کو اس کمزور لمحے میں شاندار آہنی صلاحیت سے تبدیل کر دینے کے بارے میں وہ ضرور سوچتا۔ مگر اس وقت تو وہ زندگی کے بارے میں ایک بالکل مختلف نظریہ قائم کر چکا تھا۔

مقدس پادری اسے بتاتا رہا اس فرق کے متعلق جو دنیا اور آخرت کے درمیان تھا۔ مگر اسٹیفن کا دھیان اپنی ہی دنیا میں پہنچا ہوا تھا۔

اس وقت اس کے دھیان میں خوبصورت حسین و جمیل لڑکیاں تھیں۔ ایک طرف اسے ان لڑکیوں کی خوشبو اور حسن اپنی طرف کھینچ رہا تھا دوسری طرف پادری اسے خدا کی طرف راغب کرنے کے لئے مسلسل ایسی ایسی مثالیں بتا رہا تھا جنہیں ماننے کے لیے وہ ہرگز تیار نہ تھا۔ بلکہ خدا اور مذہب سے ہی پیچھا چھڑانے کا راستہ ڈھونڈ رہا تھا۔

اس کا ذہن ان استادوں کے بارے میں سوچنے لگا جو نئی نسل کو گمراہ کر رہے تھے اور غلط عقائد میں الجھا رہے تھے اور سمجھتے تھے کہ وہی سچے ہیں۔ سٹیفن نے خاموشی کے ساتھ پادری کی تمام باتیں سنیں اور واپس جاتے ہوئے وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ وہ ہرگز مذہب کا پیشہ نہیں اپنائے گا۔ وہ منافق نہیں تھا۔ اس لیے فیصلہ کیا کہ جو چیز اس کا دل قبول نہیں کر رہا اسے کسی طور بھی قبول نہیں کرے گا۔

اسٹیفن کی سوچیں اتنی تبدیل ہو چکی تھیں کہ جب وہ اپنے گھر پہنچا تو ہر طرف اداسی نظر آئی۔ وہ جان چکا تھا کہ تمام گھر والوں کی روحیں ہی ترسی ہوئی ہیں لیکن وہ تمام لوگ خود بھی اس بات سے بے خبر ہیں۔ کسی کو اس بات کا احساس نہ تھا کہ جیسی زندگی گزارنے کے خواہشمند ہیں ویسی نہیں گزار رہے۔ اس کے باوجود بھی ان سب میں زندہ رہنے کی خواہش موجود تھی۔ اسے اپنے گھر والے بھی اس وقت اجنبی محسوس ہو رہے تھے۔ گھر میں موجود گند اور برے ماحول کو دیکھ کر اسٹیفن کی روح کو تکلیف ہو رہی تھی۔ برے ماحول

کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کے بہن بھائیوں نے جب ایک ساتھ گانا گانا شروع کیا تو اسٹیفن کو ان کی آوازوں میں تھکن صاف محسوس ہوئی اور پچھلی نسلوں کی تکلیف بھی ان میں صاف دکھائی دے رہی تھی۔

اسٹیفن فیصلہ کر چکا تھا کہ وہ چرچ میں شامل ہو گا اور نہ پادری بنے گا۔ یہ مذہبی لوگ ہی تو تھے جن کی وجہ سے وہ مذہب سے دور ہو چکا تھا۔ وہ سوچتا رہا اور آخری فیصلہ کیا یونیورسٹی میں داخلہ لینے کا۔ اس نے محسوس کیا جیسے اس فیصلے نے اسے قید سے رہائی دلا دی ہو۔ اس

پرانے دوست بھی موجود تھے جو سمندر کے پانی میں زندگی کی پریشانیاں دھو رہے تھے۔ سٹیفن ڈے ڈے لس کے دوستوں نے اسے دیکھا اور خوش ہوتے ہوئے اس سے مذاق کرنا شروع کیا۔ اسے مختلف ناموں سے بلایا مگر اسٹیفن پر ان کی باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ سمندر اتنا وسیع تھا جیسے تمام دنیا پر اسی کی حکمرانی ہو۔ وہ گہری سوچوں میں گم تھا۔ محسوس کر رہا تھا جیسے سمندر کے پانی سے نکلا ہو اور تمام سمندر پر پھیل گیا۔ سمندر کی لہریں اس سے ٹکراتیں اور اس میں خوشیاں بکھیر دیتیں۔ سمندر کی لہروں سے تھوڑی دور اسے سمندری پرندے کی مانند بہت ہی حسین لڑکی دکھائی دی۔ اس لڑکی کے حسن کی کشش سٹیفن کو اپنی جانب کھینچنے لگی۔ نیکی اور بدی کے تمام احساسات سے بے نیاز آج اس کا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ بالکل کسی معصوم بچے کی مانند۔ ابتدا اور انتہا سے لاتعلق اس کی روح وقت کے ایک نقطے پر ٹھہر گئی۔

یونیورسٹی میں اسٹیفن بہت خوش تھا۔ اس نے اپنے آپ کو ایک ایسا مسافر تصور کیا جو بھٹکنے کے بعد، پریشانیاں اٹھانے کے بعد دوبارہ منزل مقصود پر پہنچ گیا ہو۔ بہت زیادہ مصروفیت کی وجہ سے فضول سوچوں کے لیے اب اس کے پاس وقت نہیں تھا۔ یہی وہ زندگی تھی جو وہ چاہتا تھا جسکی اس کی روح کو خواہش تھی۔ یہاں منافقت نہ تھی۔ تخلیق کو پروان چڑھانے کا خوب موقع تھا۔ بہترین تعلیم اسے مل رہی تھی۔ استادوں اور دوستوں کے ساتھ مختلف موضوعات پر پر شاندار بحث و مباحثہ ہوتا۔ اس کی ذہنی سوچوں میں پختگی آ رہی تھی۔ ایسا ماحول تھا کہ کھل کر اظہار رائے کی آزادی تھی۔ اختلاف کا حق بھی تھا۔ سوچوں پر تالے نہیں ڈالے جاتے تھے۔ جبکہ مذہبی

اسکول اور گھر دونوں میں گھٹن تھا۔ نہ اظہار رائے کی آزادی تھی نہ اختلاف کا حق تھا۔ یہاں اس کے گھر کا گھٹن زدہ ماحول بھی نہ تھا۔ اس قید خانے نما گھر کا ہر فرد عجیب طرح کا رویہ رکھتا تھا۔ کبھی اس کا باپ غصے میں عجیب و غریب حرکتیں کرتا تھا کبھی اس کی ماں بڑبڑاتی رہتی۔ تمام عمر ساتھ رہنے کے باوجود نہ وہ اپنے گھر والوں کو سمجھ سکا نہ وہ اسے۔ وہ سب ایک دوسرے کے لیے اجنبی تھے۔ گھر بلکہ گھر کے قریب کا ماحول بھی نا قابل برداشت تھا۔ ایک پاگل راہبہ کی دل کو دہلا دینے والی چیخیں جو اس پاگل خانے میں قید تھی جو پاگل راہبائوں کے لئے مخصوص تھا۔ مگر اب اسے ان تمام چیزوں سے نجات مل چکی تھی۔ یونیورسٹی جاتے ہوئے اس کی روح کو نئی زندگی ملتی۔ ایسے میں اسے عظیم ادبی کتابوں کے کرداروں کے جملے یاد آنے لگتے اور پھر اس کا اپنا ذہن شعر تخلیق کرنے لگتا۔ ایک شاندار کیفیت کا احساس اس میں جنم لے لیتا۔

بھاگ کر کلاس میں پہنچتا۔ مگر نہ تھکن کا احساس ہوتا نہ بوریت کا۔ ایک مرتبہ خالی کمرے میں آگ جلا کر اس کے استاد نے مذہب کے کے بعض پہلوؤں کی طرف توجہ دلائی۔ مگر وہ تو پہلے ہی ان تمام چیزوں کو رد کر چکا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اب ان کے بغیر زندگی گزارنی ہے۔ اب مذہب کے بجائے وہ اپنی گہری بصیرت اور ٹھوس طرز فکر پر انحصار کر رہا تھا۔ اس کی سوچ یہ تھی کہ مذہبی پابندیوں سے دور ہو کر ہی تخلیق کا کام سر انجام دیا جا سکتا ہے۔ جس سے زندگی بھی بہت بہتر ہو سکتی ہے۔

اب وہ منافقت سے دور تھا۔ اپنی سوچ کے مطابق زندگی گزار رہا تھا۔ اسکا ہمزاد اس کی روح اور اس کی سوچوں میں تضاد نہ تھا اور یہی وجہ تھی کہ مذہبی عقائد سے دور اور جمالیاتی انداز میں اب وہ زندگی گزار رہا تھا۔ اسے اس بات کی خوشی تھی کہ اب اس کے کے موضوعات کی سوچیں بھی وہی تھیں جس کی اسے ضرورت تھی۔ غیر متعلقہ سوچوں اور موضوعات سے وہ جان چھڑا چکا تھا۔

Mac Caneمیک کین نامی اس کے دوست نے اسے کہا کہ عالمی امن کے بارے میں سب دستخط کر رہے ہیں آپ بھی کریں تو اس نے سب کے سامنے منع کر دیا اور کھل کر یہ بات کی کہ ہر ایک شخص کو آزادی رائے کا حق حاصل ہے۔ آپ جیسے چاہیں زندگی گزاریں اور مجھے میری سوچوں کے مطابق زندگی بسر کرنے دیں۔ اسٹیفن کی سوچوں میں اس حد تک پختگی آچکی تھی کہ آئرلینڈ کی آزادی کے متعلق بھی اس کی سوچ تبدیل ہو گئی۔ یہ سوچ حقیقت پسندی پر مبنی تھی۔ ڈیونDavin جو آئرلینڈ کی آزادی کا حامی تھا، اس دوست سے بھی سٹیفن ڈے ڈے لس نے کھل کر اختلاف کیا۔ بلکہ صاف صاف کہہ دیا کہ جو سلوک پارنل کے ساتھ ہوا ہے ایسا ہی ہر آزادی مانگنے والے کے ساتھ کیا جائے گا۔ بلکہ بہت جذباتی ہو گیا اور یہاں تک کہہ دیا کہ آئرلینڈ تو وہ سورنی ہے جو اپنے ہی بچے کھا جاتی ہے۔ Lynchنامی دوست کے ساتھ وہ چل رہا تھا۔ خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کر رہا تھا اور خوشی میں اس وقت بہت اضافہ ہو گیا جب اسے وہی خوبصورت لڑکی دوبارہ نظر آ گئی۔ اس کی یادوں نے تمام رات اسے سونے نہ دیا۔ کچھ دیر کے لئے سویا، جاگا تو محسوس کر لیا کے اس کا ذہن تخلیقی کام کی طرف ہو چکا ہے۔ مضامین کے خیالات آ رہے ہیں۔ شعر اُمڈ رہے ہیں۔ در حقیقت یہ سب کچھ اس خوبصورت لڑکی کے حسن کی وجہ سے دماغ میں بیدار ہوا تھا۔ حسین لڑکی کا چہرہ سٹیفن کے دماغ میں موجود تھا۔ اس لڑکی نے ایک راہب سے مذاق کیا تو اسٹیفن نے اس راہب کو اپنا دشمن محسوس کیا۔ اگرچہ وہ راہب جمالیات سے محروم تھا مگر اس وقت خوش قسمت محسوس ہو رہا تھا۔ اسٹیفن نے سوچا کہ ہمیشہ رہنے والی تخلیقات کا میں راہب ہوں گا۔ اسٹیفن کو جنسی لذت اور اس لڑکی کے حسن کی شدت سے اپنے اندر آگ لگتی محسوس ہوئی۔ جنسی لذت اسے شکست دے چکی تھی اور جنسی خواہش شدید طریقے سے اپنی تسکین چاہتی تھی۔ رات اس نے بے چینی میں گزاری اور صبح تک ایک شعری تخلیق اس سے جنم لے چکی تھی۔

دوسرے دن شام کے وقت یونیورسٹی کی لائبریری جاتے ہوئے اس نے آسمان پر ہجرت کرتے ہوئے بہت سے پرندوں کو دیکھا۔ اس وقت سوچ میں پڑ گیا کہ قدرت نے ان پرندوں میں بھی سوچ رکھی ہے کہ بہتر مستقبل کی تلاش میں یہ ہجرت کریں۔ اسنے محسوس کیا کہ پرندوں کی ہجرت اس کے لئے غیبی پیغام ہے۔ آئرلینڈ اور اپنے خاندان کو چھوڑ کر اسے بھی کسی دور جگہ چلے جانا چاہیے۔ وہ سوچوں میں گم تھا اور اندھیرا چھا رہا تھا۔ پرندے تو نظر آنا بند ہو گئے مگر ان کی ہلکی ہلکی آوازیں ایسے آ رہی تھیں جیسے کسی اندھے کنویں سے آ رہی ہوں۔

اس نے اپنے جمالیاتی فلسفہ کا آغاز کیا۔ اس کے قریبی دوست بھی اس کی سوچوں اور فلسفے میں حصہ لیتے۔ اس نے اپنے دوست کو اپنی ماں کے ساتھ ہونے والے جھگڑے کے متعلق بتایا۔ میری والدہ نے مجھے کہا کہ میں ایسٹر کی ڈیوٹی سر انجام دوں مگر میں نے منع کر دیا۔ جس پر میں یقین ہی نہیں کرتا تھا وہ کیسے کر سکتا ہوں۔ اس کے دوست نے اسے کہا کہ اگر وہ ایک بات پر یقین نہیں رکھتا پھر بھی اپنی ماں کو خوش کرنے کے لئے اسے ایسٹر کی ڈیوٹی سر انجام دے دینی چاہیے تھی۔ اس کے دوست نے اس سے پوچھا کیا اس نے کبھی کسی سے محبت کی ہے۔ سٹیفن نے جواب دیا کہ اس نے خدا سے محبت کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ ان دونوں نے ایک ملازم لڑکی کو گیت گاتے سنا۔ دل کو بہت اچھا لگا۔ اس کے دوست نے کہا یہی سچی شاعری ہے اور محبت بھی اسی کا نام ہے۔

سٹیفن نے اپنے دوست سے کہا کہ وہ جلد ہی آئر لینڈ کو چھوڑ دے گا۔ وہ ان کی کیسے خدمت کرے جن پر وہ یقین ہی نہیں رکھتا چاہے وہ اس کی زمین آئر لینڈ ہو، چاہے چرچ ہو یا اس کا اپنا گھر۔ میں اپنے آپ کو دنیا سے منواؤں گا مگر آرٹ جمالیات کے ذریعے۔ شاید میں غلطی کر رہا ہوں مگر یہ غلطی میں ضرور کروں گا۔ یہاں سے جانے کے بعد میں بالکل تنہا اور اکیلا ہوں گا۔ مگر یہ کام کرنے کا ارادہ کر چکا ہوں۔

اختتام پر پر ڈائری میں بہت سی مختلف تاریخوں میں مختلف موضوعات کے بارے میں لکھا گیا۔ اس کی اپنے دوست کے ساتھ بغاوت کے بارے میں بات ہوئی۔ اس نے اپنے دوست کے ساتھ ہاسپیٹل نرس کا پیچھا کیا۔ اس کے بارے میں لکھا۔ ایک دن اس کی ماں نے کہا کہ اس نے کچھ زیادہ ہی پڑھ لیا ہے۔ اس نے مذہب کو چھوڑ کر آرٹسٹ بننے کے

شعور کی رو

چشمہ شعور

سٹریم آف کانشی نس

انسانی ذہن کی گفتگو

اسٹیج ڈرامے میں ایک مائیک لگا ہوتا ہے کردار اس مائک میں بولتے ہیں۔ جبکہ شعور کی رو سے مراد دماغ کے اندر ایک مائیک لگا دینا ہوتا ہے۔ ذہن کے اندر جو سوچیں پیدا ہو رہی ہیں رائٹر ان کو سنتا ہے اور بالکل اسی طرح شعور کی رو کو کاغذ پر تحریر کر دیتا ہے۔
انسان کا خارجی باہر کی دنیا کا عمل زیادہ اہمیت کا حامل نہیں بلکہ اس کی اندرونی ذہن کی داخلی سوچیں نفسی کیفیات سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ ہمارے داخلی ذہنی عمل سے ہی بیرونی خارجی عمل وجود میں آتا ہے۔

شعور کے بہاؤ سے مراد ذہن کی سوچوں کا تسلسل اور اسکی مسلسل تبدیلی ہے۔
ہمارے ذہن میں ہر وقت تصویریں بنتی رہتی ہیں، تصورات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ مگر یہ غیر منظم ہوتے ہیں اور اسی غیر منظم تسلسل کو جب تحریری صورت دی جاتی ہے تو اسے شعور کے بہاؤ کا نام دیا جاتا ہے۔ ذہن میں بننے والی تصویریں اور تصورات کا ایک دوسرے سے تعلق تو ہوتا ہے لیکن یہ تعلق منطق یا استدلال کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ ذہن کی ہر لمحہ بدلتی ہوئی کیفیت کے مطابق ہوتا ہے۔
شعور کی رو میں لکھی گئی تحریروں میں بیانیے کا تسلسل نہیں ہوتا۔ ذہن میں جو بھی سوچ ہوتی ہے اسے لکھ دیا جاتا ہے۔
انسان ایک لمحے میں خارجی واقعات، ذہنی تصورات، خیالات کے تلازم اور یادداشتیں شعور کے بہاؤ کی ایک ہی رو میں پیش کر دیتا ہے۔
یعنی شور کے بہاؤ کے تحت واقعات اور کرداروں کو ایک یا بہت سے ذہنوں کے ذریعے بیان کیا جاتا ہے۔
کردار کی تخلیق اس بات سے ہوتی ہے کہ وہ کیا سوچ رہا ہے، کیا محسوس کر رہا ہے اور کردار کے عمل کا تعین بھی اسی سے ہوتا ہے۔
دوسرے الفاظ میں شعور کی رو کے تحت لکھی گئی تحریر لکھاری کے اپنے ذہن کی ہی عکاسی کرتی ہیں۔

ڈوروتھی رچرڈسن اور ورجینیا وولف نے شعور کی رو کی تکنیک کو اپنی تحریروں میں سب سے پہلے استعمال کیا۔ مگر اسے بلندیوں تک پہنچانے میں جس ادیب کا نام ہے وہ ہے جیمس جوائس۔

شعور کی رو سے پہلے کے ادب اور اس کے بعد کے ادب میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

شعور کی رو سے پہلے جو ادب تحریر کیا جاتا تھا اس پر نظر ڈالتے ہیں۔

شعور کی رو سے پہلے ہماری ارد گرد کی زندگی، باہر کی زندگی، خارجی زندگی پر بہت زور دیا جاتا تھا اور شعور کی رو سے پہلے ادب میں تخلیق کردہ کرداروں یا کردار نگاری کو تین طریقوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

پہلا

ابتدا میں ہی کردار کا مکمل تعارف کرا دیا جاتا ہے پھر آہستہ آہستہ کہانی آگے بڑھتی ہے۔

دوسرا

واقعات کو ترتیب کے ساتھ آگے بڑھایا جاتا جس سے کردار کی شکل ہمارے ذہن میں ترتیب پانے لگتی ہے اور کہانی کے اختتام پر وہ کردار ہمیں بالکل صاف نظر آرہا ہوتا ہے۔

تیسرا

کردار نگاری کا تیسرا طریقہ اوپر دیے گئے پہلے اور دوسرے طریقے کو ملانے سے ترتیب دیا جاتا ہے۔ کردار کا کچھ تعارف تو ہمیں کہانی کے شروع میں اور کچھ حصہ آہستہ آہستہ واقعات کے ساتھ بتایا جاتا ہے۔

شعور کی رو سے پہلے ادب میں سب سے اہم بات تکنیک اور پلاٹ کی ترتیب اور نظم وضبط قرار دی جاتی تھی۔ جو واقعات بیان کیے جاتے اس میں زمانی تسلسل اور ترتیب کا بہت خیال رکھا جاتا۔ کسی بھی کہانی میں پلاٹ سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا۔ جس میں

پھر موجودہ دور میں ذہن اور نفسیات نے بہت ترقی کر لی۔

فرائیڈ

یونگ

ایڈلر کے بعد

ولیم جیمس

نے شعور کی رو کے بارے میں بات کی۔ یعنی انسانی ذہن کی گفتگو۔ اس نے شعور کے بارے میں کہا کہ یہ کوئی ٹھوس یا جامد کیفیت نہیں ہے بلکہ ذہنی حالت تو ہر لمحہ تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ جس طرح دریا کا پانی مسلسل بہہ رہا ہوتا ہے بالکل سیدھا نہیں بلکہ لہروں کی صورت میں اوپر نیچے ہوتے ہوئے۔

جس طرح ایک چراغ سے دوسرا چراغ جلتا ہے اسی طرح ایک خیال سے دوسرا خیال جنم لیتا ہے۔

شعور کے چار اہم نقاط یہ ہیں۔

نمبر ایک۔ ہر ذہنی حالت ہمیشہ کسی نہ کسی ذاتی شعور کا حصہ ہوتی ہے۔

نمبر دو۔ ہمارے ذاتی شعور سے تعلق رکھنے والی سوچیں ذہنی کیفیات ہمیشہ ہر وقت ہر دم تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ یہ کسی بھی حالت میں نہیں رکتا۔ ہم جتنی بھی کوشش کریں ایک خیال پر توجہ مرکوز نہیں رکھ سکتے۔ خیال ذہن میں جنم لیتے رہیں گے جیسے آسمان پر بجلی

نمبر تین۔ ذاتی شعور ہر حالت میں تسلسل ملتا ہے۔

نمبر چار۔ ہمارے شعور کی ہر حالت ہمیشہ اشیاء اور واقعات میں سے کسی کو قبول کر لیتی ہے اور کسی کو رد کر دیتی ہے۔

یا پھر ہم شعور کو ایک پرندے سے بھی تشبیہ دے سکتے ہیں جو کبھی ہواؤں میں اڑ رہا ہوتا ہے اور کبھی سکون سے بیٹھا ہوا ہوتا ہے۔

زبان کے کام کرنے کا انداز اس کی مثال بنائی جا سکتی ہے۔ ہمیں ایک خیال آتا ہے جسے ہم فکرے میں ادا کر دیتے ہیں اور ہر فقرہ ایک وقفے پر ختم ہو جاتا ہے۔

شعور بہت وسیع و عریض پیمانے پر پھیلا ہوتا ہے۔ ہم حافظہ یا خیال کو شعور سمجھتے ہیں جبکہ ایسا نہیں ہے۔ ہم جو فکر کرتے ہیں سوچتے ہیں وہ شعور کا بہت چھوٹا سا حصہ ہوتا ہے۔ شعور کی بہت ہی سطحات ہوتی ہیں۔ تاثرات وجدان ان کا حافظہ خیال، احساسات، تاثرات، ادراک، جذبہ وغیرہ وغیرہ۔

ماقبل شعور سے لے کر وہ چیزیں جنہیں ہم بیان کر سکتے ہیں سب شعور کا ہی حصہ ہوتی ہیں۔ نفسیاتی ناول یا تحریروں کی بہت سی اقسام ہوتی ہیں۔ مگر صرف شعور کی رو والی تحریریں ہی شعور کی ماقبل تکلم والی سطح سے تعلق رکھتی ہیں۔

شعور کی رو کے اہم طریقے

یا شعور کی رو کو چار طریقوں سے پیش کیا جا سکتا ہے

Direct Interior Monologue

Indirect Interior Monologue

Omniscient Narrator

Soliloquy

پہلے کو بلاواسطہ گفتگو کہتے ہیں۔

شعور کی رو کو پیش کرنے کا سب سے بہترین طریقہ۔

یعنی کردار کا اپنے ذہن کو خود پیش کرنا، مصنف یا کسی بیرونی مداخلت کے بغیر۔

فقرے ادھورے بھی ہو سکتے ہیں اور بے جوڑ بھی۔ قوائد کی اجازت نہیں ہوتی۔ نہ فل سٹاپ، نہ کومہ، بے ربطی اور شعور کا مسلسل بہاؤ۔ خیالات کا ایک دوسرے سے تعلق بھی نہیں ہوتا۔ مصنف کو مداخلت کر کے سمجھانے کی اجازت بھی نہیں ہوتی۔ اس لیے یہ بہت ہی مشکل سے سمجھ آتے ہیں یا بہت ہی تجربہ کار قاری اسے سمجھ سکتا ہے۔

خیالات بہت ذاتی قسم کے ہو سکتے ہیں۔ جن کی جڑیں لاشعور میں جاری ہوتی ہیں اس لیے سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔ مصنف کو اجازت نہیں ہوتی کہ مداخلت کرے یا تشریح پیش کرے۔ اس لیے مصنف کچھ ایسے اشارے استعمال کرتا ہے جس سے خیالات کو ہم سمجھ سکیں۔ مگر یہ اشارے بھی جتنے کم ہوں گے اتنی ہی بہترین بلاواسطہ گفتگو کہلائے گی۔

ذہن بغیر کسی واسطے کے کھولا جاتا ہے۔

رائٹر جیمز جوائز اور اُس کا ناول یولی سیز اس کی بہترین مثال ہے۔

جہاں اس نے چالیس سے زیادہ صفحات میں شعور کی رو، بلاواسطہ گفتگو کی تکنیک کے ذریعے مولی کو پیش کیا ہے۔

بلوم کی بیوی مولی رات کو بستر پر لیٹی ہے۔ اس کے ذہن میں خیالات کا طوفان ہے۔ اس کی تمام زندگی اس کے ذہن میں گھوم رہی ہے۔ ماضی حال مستقبل بیرونی دنیا کی طرف بھی اس کا دھیان جاتا ہے۔ اپنے ارد گرد کی آوازیں بھی ایسے سنائی دیتی ہیں۔ اسکے ارد گرد کوئی دوسرا نہیں۔ بلکہ جیمز جوائس نے اپنا کیمرہ اور مائیک اس کے ذہن میں رکھ دیا ہے جو ذہن کو دیکھ رہا ہے سن رہا ہے اور ماضی حال مستقبل کی بے جوڑ سمجھ میں نہ آنے والی مسلسل سوچیں بے ربط گفتگو کو چالیس صفحات میں بیان کر دیا۔ شعور کی رو کی تکنیک کے زیر سایہ ہمارے پاس کوئی اشارہ بھی نہیں ہے جس سے ہم ان سوچوں کو سمجھ سکیں خیالات میں تعلق پیدا کر سکیں۔ مگر

یولی سیز

جیمس جوائز

شعور کی رو میں لکھا گیا یولی سیز کیا صرف ایک ناول ہے۔ نہیں یہ ماڈرن ایپک جدید رزمیہ ہے جو پرانے اور موجودہ زمانے کو علیحدہ کرنے کے مقام پر کھڑا ہے۔ یہ صرف ہومر سے ہی متاثر نہیں بلکہ ورجل، ڈانٹے، شیکسپیئر اور بے شمار دوسرے رائٹرز سے اس نے اثر قبول کیا ہے۔ بے شمار زبانوں کا استعمال اس میں ہوا۔ بے شمار سٹائل اس میں نظر آئیں گے۔ زبان سے لے کر اشتہار بازی تک مختلف انداز میں سے پڑھا جا سکتا ہے۔ حتیٰ کہ ٹیلی فون ڈائریکٹری کے طور پر بھی۔ یہ وہ کتاب ہے جسے کہیں سے بھی شروع کیا جا سکتا ہے۔

کسی باب کو بھی پہلا باب سمجھ کر پڑھنا شروع کر دیں نتیجہ ایک سا ہی نکلے گا۔

جیمس جوائز کے یولی سیز کا ہر باب ایک مختلف سٹائل سے لکھا گیا ہے۔

باب نمبر پندرہ ایک ڈرامے کی طرح کا ہے۔

باب نمبر تیرہ ایک رومانوی ناول کی مانند ہے۔

بارھواں باب بہت مشکل ہے۔ عجیب مشکل رکاوٹیں ہمیں راستے میں کھڑی دکھائی دیتی ہیں۔ موسیقیت۔

باب نمبر چودہ میں بچے کی پیدائش کو اس طرح دکھایا گیا ہے جس طرح ادب کے ارتقا میں تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ زبان اینگلو سیکسن سے شروع ہو کر ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی جدید دور تک آتی ہے اور

سب سے آخری باب حیران کن ہے۔ جس میں بلوم کی بیوی مولی کے شعور کی رو پیش کر دی گئی ہے۔ یہ بہت ہی مشکل تحریر ہے۔

چالیس صفات پچیس ہزار لفظ صرف آٹھ پیرا گراف اور چار کومے۔

شعور کی رو کو سمجھنے کے لئے بہت زیادہ ذہن کو استعمال کرنا پڑتا ہے۔

جیمز جوائز کی یولی سیز دنیا کی مشکل ترین کتاب ہے۔ اس کا مطالعہ مشکل اور سمجھنا ناممکن ہے۔ اس کے تین کردار ہیں۔ نمبر ایک سٹیفن ڈے ڈے لس جسے آپ اے پورٹریٹ آف دی آرٹسٹ ایز آ ینگ مین میں پڑھ چکے ہیں۔ وہ اپنی ماں کی وفات پر افسوس میں غمگین ہے۔ ہومر کی اوڈیسی میں ٹیلی می کس بیٹا ہے یولی سیز کا جو اپنی ماں کے ساتھ اپنے باپ کی واپسی کا انتظار کرتا ہے۔ باپ کے بارے میں بادشاہ سے مشورہ کرتا ہے جو اسے اچھا مشورہ دیتا ہے۔ جبکہ جیمز جوائس کی یولی سیز میں سٹیفن ڈے ڈے لس ایک بے گھر نوجوان رائٹر ہے۔ وہ بلوم سے ڈبلنگ شہر میں ملتا ہے۔ بلوم اسے اپنے گھر میں رہنے کی پیشکش کرتا ہے۔

نمبر دو لیوپولڈ لوم ڈبلنگ کے اخبار کا اشتہاری ایجنٹ ہومر کی اوڈیسی کا ہیرو یولی سیز تھا جس نے بحری جہاز میں سفر کیا۔ بہت سی مہمات سرانجام دیں لیکن زندہ رہا اور واپس گھر آ گیا۔ جبکہ جیمز جوائس کا ہیرو مرکزی کردار لیوپولڈ لوم ایک عام انسان اشتہاری ایجنٹ ہے جو اپنی بیوی کو بستر میں سوتا چھوڑ کر ڈبلنگ کی سیر کے لیے نکل جاتا ہے اور سٹیفن ڈے ڈے لس سے ملاقات ہوتی ہے۔

اور نمبر تین مولی اس کی بیوی۔ درمیانے درجے کی خوبصورت گلوکارہ۔ ہومر کی اوڈیسی میں پے نے لوپی یولی سیز کی وفادار پاکباز بیوی ہے جو اپنے شوہر کی واپسی کا انتظار کرتی ہے۔ اسکی غیر موجودگی میں مردوں سے دور رہتی ہے اور شادی سے بھی انکار کر دیتی ہے۔ جبکہ جیمز جوائس کی یولی سیز میں مولی بے وفا بیوی ہے۔ بلوم کی درمیانے درجے کی خوبصورت اداکارہ جس کے بہت سے مردوں سے تعلقات ہیں۔ پچیس کے قریب مردوں سے تعلقات ہیں۔ اس کے شوہر بلوم کو اس بات کا علم ہے اور وہ اس لیے زیادہ وقت باہر گزارتا ہے کہ اس کی بیوی گھر میں مزے اڑا رہی ہو گی۔

یولی سیز ہومر کی عظیم رزمیہ نظم اوڈیسی کی جدید شکل ہے۔ تمام ابواب کے نام ہومر کی اوڈیسی سے ہی لیے گئے ہیں۔ دونوں میں گہرا تعلق بھی ہے۔ مگر دونوں ہیرو بالکل مختلف ہیں۔ ایک بہت پرانے دور کا ہیرو اور دوسرا ہمارا مرکزی کردار عام انسانوں جیسا ہے۔ جس کا نام لیوپولڈ لوم ہے۔ جدید دور کا ہیرو جنگجو نہیں لیکن چالاک فریبی اور دھوکے باز ہے۔ دوسرے انسانوں سے برتر نہیں۔ قوت اظہار تو ہے اس میں مگر گفتگو مشکل اور الجھی ہوئی ہے۔ اچھے کام بھی کرتا ہے۔ پرندوں کو دانہ ڈالتا ہے، اندھے کی مدد کرتا ہے، کتے اور بلیوں سے بھی محبت ہے، مرحوم دوست کے بچوں کو پالتا ہے۔ اسٹیفن کے باپ کی موت کے بعد اس کی باپ کی طرح شفقت کرتا ہے۔
دوسری طرف ظالم بھی ہے سنکی بھی تنگ نظر بھی اور کمینہ بھی۔ دراصل بلوم کے اندر دنیا کے تمام انسانوں کی خوبیاں اور خامیاں جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مگر وہ کیا ہے آخر تک سمجھ نہیں آتا۔ اس لیے اسے مشکل بلکہ بہت مشکل کتاب کہا گیا ہے۔ دراصل جوائس پڑھنے والوں کو سمجھانے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ انہیں خود نتیجہ نکالنا ہوتا ہے۔ اس کے کردار یا ہیرو کا کردار پرکشش نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہہ دیا گیا کہ جوائس اپنے دور کے لکھنے والوں کے درمیان خارپشت کی مانند ہے۔ جس کے ہیرو بہت ہی تلخ ہیں۔ اسٹیفن ناممکن سا لگتا ہے اور بلوم بالغ دماغ۔ مگر دونوں ہی تلخ، بہت تلخ۔ نہ ہم ان کی تعریف کر سکتے ہیں نہ انہیں پسند کر سکتے ہیں اور نہ ہی ان سے ہمدردی رکھتے ہیں۔

ہیرو اور اینٹی ہیرو

صدیوں پہلے ہومر نے اوڈیسی میں ہیرو پیش کیا تھا۔ جبکہ جیمز جوائس نے یولی سیز میں اینٹی ہیرو۔

پرانے اور موجودہ دور دونوں میں مشکلات موجود تھیں۔ جوائس نے کہا موجودہ ہیرو، ہیرو نہیں ایک عام انسان ہے۔ جس میں خامیاں بھی ہیں۔ خدا پر انحصار بھی نہیں کر سکتا کہ مدد کی جائے گی۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ جیمس جوائز کا مرکزی کردار اینٹی ہیرو، کلاسیکی یا پرانے ہیرو سے بہت زیادہ گہرا ہے سمجھ میں نہ آنے والا۔

اصل سمندر کا سفر بمقابلہ ذہن کے سمندر کا سفر

ہومر کی اوڈیسی کا ہیرو سمندروں میں سفر کرتا تھا۔ مشکلات کا سامنا کرتا تھا۔ یہ سمندر بہت بڑے بھی تھے اور گہرے بھی۔ جبکہ جیمز

ٹامس ہارڈی

کی تمام شاہکار کتب

آڈیو اور ٹیکسٹ

پامیلا

شامیلا

جوزف اینڈ ریلوز

ٹوم جونز

رابرٹ لوئی سٹیونسن کے بہترین ناول اردو آڈیو اور ٹیکسٹ

ٹریژر آئی لینڈ

کڈنیپڈ

ڈاکٹر جیکل اینڈ مسٹر ہائڈ

بوتل میں شیطان سوئی سائڈل کلب

کیپٹن کرے جیئس

چارلس ڈکنز

کی تمام شاہکار کتب

آڈیو اور ٹیکسٹ

ایچ جی ویلز کے بہترین ناولز اردو آڈیو اور ٹیکسٹ

ٹائم مشین

وار آف دی ورلڈ

فرسٹ مین ان دی مون

کنٹری آف دی بلائنڈ

ان ویزی بل مین

آئی لینڈ آف ڈاکٹر مورو

آل ابروڈ فار اروراٹ

اناڑی بھوت